جشنِ میلاد النبی (ﷺ) اور صراطِ مستقیم

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدیر ماہنامہ بینات و استاذِ حدیث، جامعہ

۱۲/ ربیع الاول کو آنحضرت ﷺ کا ’’جشنِ عید‘‘ منایا جاتا ہے اور آج کل اسے اہلِ سنت کا خاص شعار سمجھا جانے لگا ہے۔ اس کے بارے میں بھی چند ضروری نکات عرض کرتا ہوں:

① آنحضرت ﷺ کا ذکرِ خیر ایک اعلیٰ ترین عبادت

آنحضرت ﷺ کا ذکرِ خیر ایک اعلیٰ ترین عبادت بلکہ روحِ ایمان ہے، آپ ﷺ کی زندگی کا ایک ایک واقعہ سرمۂ چشمِ بصیرت ہے۔ آپ ﷺ کی ولادت، آپؐ کی صغرسنی، آپ کا شباب، آپ کی بعثت، آپ کی دعوت، آپ کا جہاد، آپ کی قربانی، آپ کا ذکر وفکر، آپ کی عبادت ونماز، آپ کے اخلاق وشمائل، آپ کی صورت وسیرت، آپ کا زہد وتقویٰ، آپ کا علم وخشیت، آپ کا اُٹھنا بیٹھنا، چلنا، پھرنا، سونا جاگنا، آپ کی صلح و جنگ، خفگی وغصہ، رحمت وشفقت، تبسم ومسکراہٹ، الغرض! آپ ﷺ کی ایک ایک ادا اور ایک ایک حرکت و سکون اُمت کے لیے اسوۂ حسنہ اور اکسیرِ ہدایت ہے، اور اس کا سیکھنا سکھانا، اس کا مذاکرہ کرنا، دعوت دینا اُمت کا فرض ہے، ﷺ۔

اسی طرح آپ ﷺ سے نسبت رکھنے والی شخصیات اور چیزوں کا تذکرہ بھی عبادت ہے۔ آپ کے احباب واصحاب، ازواج واولاد، خدّام وعمال، آپ ﷺ کا لباس وپوشاک، آپ کے ہتھیار، آپ کے گھوڑوں، خچروں اور ناقہ کا تذکرہ بھی عینِ عبادت ہے، کیونکہ یہ دراصل ان چیزوں کا تذکرہ نہیں، بلکہ آپ کی نسبت کا تذکرہ ہے، ﷺ۔

② آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ محفوظ ہے

آنحضرت ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے دو حصے ہیں: ایک ولادتِ شریفہ سے لے کر قبل از نبوت تک کا،

اور دوسرا بعثت سے لے کر وصال شریف تک کا۔ پہلے حصے کے جستہ جستہ بہت سے واقعات حدیث وسیرت کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اور حیاتِ طیبہ کا دوسرا حصہ جسے قرآن کریم نے اُمت کے لیے اسوۂ حسنہ فرمایا ہے، اس کا مکمل ریکارڈ حدیث وسیرت کی شکل میں محفوظ ہے، اور اس کو دیکھنے سے ایسا لگتا ہے کہ آپ ﷺ باہمہ خوبی و زیبائی گویا ہماری آنکھوں کے سامنے چل پھر رہے ہیں، اور آپ ﷺ کے جمالِ جہاں آرا کی ایک ایک ادا اس میں صاف جھلک رہی ہے، ﷺ۔

بلا مبالغہ یہ اسلام کا عظیم ترین اعجاز اور اس امتِ مرحومہ کی بلند ترین سعادت ہے کہ ان کے پاس ان کے محبوب ﷺ کی زندگی کا پورا ریکارڈ موجود ہے، اور وہ ایک ایک واقعہ کے بارے میں دلیل وثبوت کے ساتھ نشاندہی کرسکتی ہے کہ یہ واقعہ کہاں تک صحیح ہے؟ اس کے برعکس آج دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں، جن کے پاس ان کے ہادی کی زندگی کا صحیح اور مستند ریکارڈ موجود ہو۔ یہ نکتہ ایک مستقل مقالے کا موضوع ہے، اس لیے یہاں صرف اسی قدر اشارے پر اکتفا کرتا ہوں۔

۳ سیرتِ طیبہ کو بیان کرنے کا درست طریقہ

آنحضرت ﷺ کی سیرتِ طیبہ کو بیان کرنے کے دو طریقے ہیں: ایک یہ کہ آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے ایک ایک نقشے کو اپنی زندگی کے ظاہر و باطن پر اس طرح آویزاں کیا جائے کہ آپ ﷺ کے ہر امتی کی صورت وسیرت، چال ڈھال، رفتار وگفتار، اخلاق وکردار، آپ ﷺ کی سیرت کا مرقع بن جائے، اور دیکھنے والے کو نظر آئے کہ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کا غلام ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جہاں بھی موقع ملے آنحضرت ﷺ کے ذکرِ خیر سے ہر مجلس ومحفل کو معمور ومعطر کیا جائے۔ آپ ﷺ کے فضائل وکمالات، اور آپ کے بابرکت اعمال واخلاق اور طریقوں کا تذکرہ کیا جائے، اور آپ کی زندگی کے ہر نقشِ قدم پر مر مٹنے کی کوشش کی جائے۔ سلف صالحین صحابہؓ وتابعینؒ اور ائمہ ہدیٰؒ ان دونوں طریقوں پر عامل تھے۔ وہ آنحضرت ﷺ کی ایک ایک سنت کو اپنے عمل سے زندہ کرتے تھے، اور ہر محفل ومجلس میں آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا تذکرہ کرتے تھے۔ آپ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ سنا ہوگا کہ ان کے آخری لمحاتِ حیات میں ایک نوجوان ان کی عیادت کے لیے آیا، واپس جانے لگا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: برخوردار! تمہاری چادر ٹخنوں سے نیچے ہے، اور یہ آنحضرت ﷺ کی سنت کے خلاف ہے۔ ان کے صاحبزادے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو آنحضرت ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے اپنانے کا اس قدر شوق تھا کہ جب حج پر تشریف لے جاتے تو جہاں آنحضرت ﷺ نے اپنے سفرِ حج میں پڑاؤ کیا تھا وہاں اُترتے، جس درخت کے نیچے آرام فرمایا تھا اُس درخت کے نیچے آرام کرتے۔ اور جہاں آنحضرت ﷺ

فطری ضرورت کے لیے اُترتے تھے، خواہ تقاضا نہ ہوتا، تب بھی وہاں اُترتے، اور جس طرح آنحضرت ﷺ بیٹھے تھے، اس کی نقل اتارتے، رضی اللہ عنہ۔ یہی عاشقانِ رسول تھے جن کے دم قدم سے آنحضرت ﷺ کی سیرتِ طیبہ صرف اوراق وکتب کی زینت نہیں رہی، بلکہ جیتی جاگتی زندگی میں جلوہ گر ہوئی، اور اس کی بوئے عنبرین نے مشامِ عالم کو معطر کیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین عظام رحمہم اللہ بہت سے ایسے ممالک میں پہنچے جن کی زبان نہیں جانتے تھے، نہ وہ ان کی لغت سے آشنا تھے، مگر ان کی شکل وصورت، اخلاق وکردار اور اعمال ومعاملات کو دیکھ کر علاقوں کے علاقے اسلام کے حلقہ بگوش اور جمالِ محمدی کے غلام بے دام بن گئے۔ یہ سیرتِ نبوی کی کشش تھی، جس کا پیغام ہر مسلمان اپنے عمل سے دیتا تھا۔

④ سلفِ صالحین کے ہر قول وعمل میں سیرتِ طیبہ کی جھلک تھی

سلف صالحینؒ نے کبھی سیرت النبیؐ کے جلسے نہیں کیے، اور نہ میلاد کی محفلیں سجائیں، اس لیے کہ وہاں ''ہر روز روزِ عید'' اور ''ہر شب شبِ براءت'' کا قصہ تھا۔ ظاہر ہے کہ جب ان کی پوری زندگی ''سیرت النبی'' کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی، جب ان کی ہر محفل ومجلس کا موضوع ہی سیرتِ طیبہ تھا، اور جب ان کا ہر قول وعمل سیرت النبی کا مدرسہ تھا تو ان کو اس نام کے جلسوں کی نوبت کب آسکتی تھی؟ لیکن جوں جوں زمانہ کو آنحضرت ﷺ کے مبارک دور سے بُعد ہوتا گیا، عمل کے بجائے قول کا، کردار کے بجائے گفتار کا سکہ چلنے لگا۔ الحمد للہ! یہ امت کبھی بانجھ نہیں ہوئی۔ آج اس گئے گزرے دور میں بھی اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے موجود ہیں جو آنحضرت ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا آئینہ سامنے رکھ کر اپنی زندگی کے گیسو وکاکل سنوارتے ہیں، اور ان کے لیے محبوب ﷺ کی ایک ایک سنت ملکِ سلیمان اور گنجِ قارون سے زیادہ قیمتی ہے۔ لیکن مجھے شرمساری کے ساتھ یہ اعتراف کرنا چاہیے کہ ایسے لوگ کم ہیں، جب کہ ہم میں سے اکثریت مجھ جیسے بدنام کنندہ گپوڑوں اور نعرہ بازوں کی ہے جو سال میں ایک دوبار سیرت النبی (ﷺ) کے نعرے لگا کر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ان کے ذمہ اُن کے محبوب نبی ﷺ کا جو حق تھا، وہ قرض انہوں نے پورا ادا کردیا، اور اب ان کے لیے شفاعت واجب ہوچکی ہے، مگر ان کی زندگی کے کسی گوشے میں دور دور تک سیرتِ طیبہ کی کوئی جھلک دکھائی نہیں دیتی۔ آنحضرت ﷺ کی پاک سیرت کے ایک ایک نشان کو انہوں نے اپنی زندگی کے دامن سے کھرچ کھرچ کر صاف کر ڈالا ہے۔ اور روزمرہ نہیں، بلکہ ہر لمحہ اس کی مشق جاری رہتی ہے، مگر ان کے پتھر دل کو کبھی احساس تک نہیں ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو اپنی سنتوں اور اپنے طریقوں کے مٹنے سے کتنی تکلیف اور اذیت ہوتی ہے۔ وہ اس خوش فہمی میں ہیں کہ بس قوالی کے دو چار نغمے سننے، نعت شریف کے دو چار شعر پڑھنے سے آنحضرت ﷺ کا حق ادا ہوجاتا ہے۔

⑤ مروجہ میلاد کی ابتدا کب ہوئی ؟!

میلاد کی محفلوں کے وجود سے امت کی چھ صدیاں خالی گزرتی ہیں اور ان چھ صدیوں میں جیسا کہ میں ابھی عرض کر چکا ہوں، مسلمانوں نے کبھی ''سیرت النبی'' کے نام سے کوئی جلسہ یا ''میلاد'' کے نام سے کوئی محفل نہیں سجائی۔ ''محفلِ میلاد'' کا آغاز سب سے پہلے ۶۰۴ھ میں سلطان ابوسعید مظفر اور ابوخطاب ابن دحیہ نے کیا، جس میں تین چیزیں بطورِ خاص ملحوظ تھیں:

① بارہ ربیع الاول کی تاریخ کا تعین۔
② علماء وصلحاء کا اجتماع۔
③ اور ختمِ محفل پر طعام کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کی روح پر فتوح کو ایصالِ ثواب۔

ان دونوں صاحبوں کے بارے میں بھی اختلاف ہے کہ یہ کس قماش کے آدمی تھے؟ بعض مؤرخین نے ان کو فاسق وکذاب لکھا ہے، اور بعض نے عادل وثقہ، واللہ اعلم!

جب یہ نئی رسم نکلی تو علماء امت کے درمیان اس کے جواز وعدمِ جواز کی بحث چلی۔ علامہ فاکہانیؒ اور اُن کے رفقاء نے ان خودساختہ قیود کی بنا پر اس میں شرکت سے عذر کیا، اور اسے بدعتِ سیئہ قرار دیا، اور دیگر علماء نے سلطان کی ہم نوائی کی، اور ان قیود کو مباح سمجھ کر اس کے جواز واستحسان کا فتویٰ دیا۔ جب ایک بار یہ رسم چل نکلی تو یہ صرف ''علماء وصلحاء کے اجتماع'' تک محدود نہ رہی، بلکہ عوام کے دائرے میں آکر ان کی نئی نئی اختراعات کا تختۂ مشق بنتی چلی گئی۔ آج ہمارے سامنے عید میلاد النبی (ﷺ) کی جو ترقی یافتہ شکل موجود ہے (اور ابھی خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس میں مزید کتنی ترقی مقدر ہے)، اب ہمیں اس کا جائزہ لینا ہے۔

⑥ چھ صدیوں تک اہلِ اسلام اس خودتراشیدہ ''شعارِ اسلام'' سے ناواقف تھے

سب سے پہلے دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ جو فعل صحابہؓ وتابعینؒ کے زمانے میں کبھی نہیں ہوا، بلکہ جس کے وجود سے اسلام کی چھ صدیاں خالی چلی آئی ہیں، آج وہ ''اسلام کا شعار'' کہلاتا ہے۔ اس شعارِ اسلام کو زندہ کرنے والے ''عاشقانِ رسول'' کہلاتے ہیں، اور جو لوگ اس نوایجاد شعارِ اسلام سے ناآشنا ہوں، ان کو دشمنانِ رسول تصور کیا جاتا ہے، إنا لله وإنا إليه راجعون.

کاش! ان حضرات نے کبھی یہ سوچا ہوتا کہ چھ صدیوں کے جو مسلمان ان کے اس خودتراشیدہ شعارِ اسلام سے محروم رہے ہیں، ان کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟ کیا وہ سب ... نعوذ باللہ ... دشمنانِ رسول تھے؟ اور پھر انہوں نے اس بات پر کبھی غور کیا ہوتا کہ اسلام کی تکمیل کا اعلان توحجۃ الوداع میں عرفہ کے دن ہوگیا تھا، اس کے بعد وہ کون سا پیغمبر آیا تھا، جس نے ایک ایسی چیز کو ان کے لیے شعارِ اسلام بنادیا، جس سے چھ

صدیوں کے مسلمان نا آشنا تھے؟ کیا اسلام میرے یا کسی کے ابا کے گھر کی چیز ہے کہ جب چاہو اس کی کچھ چیزیں حذف کر دو، اور جب چاہو اس میں کچھ اور چیزوں کا اضافہ کر ڈالو؟

⑦ عیسائیوں کا طرزِ عمل

دراصل اسلام سے پہلے کی قوموں میں اپنے بزرگوں اور بانیانِ مذہب کی برسی منانے کا معمول ہے، جیسا کہ عیسائیوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم ولادت پر ''عیدِ ولادت'' منائی جاتی ہے۔ اس کے برعکس اسلام نے برسی منانے کی رسم کو ختم کر دیا تھا اور اس میں دو حکمتیں تھیں: ایک یہ کہ سالگرہ کے موقع پر جو کچھ کیا جاتا ہے، وہ اسلام کی دعوت اور اس کی روح و مزاج سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ اسلام اس ظاہری سج دھج، نمود و نمائش اور نعرہ بازی کا قائل نہیں، وہ اس شور و شغب اور ہاؤ ہو سے ہٹ کر اپنی دعوت کا آغاز دلوں کی تبدیلی سے کرتا ہے، اور عقائدِ حقہ، اخلاقِ حسنہ اور اعمالِ صالحہ کی تربیت سے انسان سازی کا کام کرتا ہے۔ اس کی نظر میں یہ ظاہری مظاہرے ایک کوڑی کی قیمت بھی نہیں رکھتے، جن کے بارے میں کہا گیا ہے: ع: ''جگمگاتے در و دیوار دل بے نور ہیں''

دوسری حکمت یہ ہے کہ اسلام دیگر مذاہب کی طرح کسی خاص موسم میں برگ و بار نہیں لاتا، بلکہ وہ تو ایسا سدابہار شجرۂ طوبیٰ ہے، جس کا پھل اور سایہ دائم و قائم ہے۔ گویا اس کے بارے میں قرآنی الفاظ میں ''أُكُلُهَا دَائِمٌ وَّ ظِلُّهَا'' کہنا بجا ہے۔ اس کی دعوت اور اس کا پیغام کسی خاص تاریخ کا مرہونِ منت نہیں، بلکہ آفاق و ازمان کو محیط ہے۔

اور پھر دوسری قوموں کے پاس تو دو چار ہستیاں ہوں گی، جن کی سالگرہ منا کر وہ فارغ ہو جاتی ہیں۔ اس کے برعکس اسلام کے دامن میں ہزاروں لاکھوں نہیں، بلکہ کروڑوں ایسی قد آور ہستیاں موجود ہیں جو ایک سے بڑھ کر ایک ہیں، اور جن کی عظمت کے سامنے آسمان کی بلندیاں ہیچ، اور نورانی فرشتوں کا تقدس گردِ راہ ہے۔ اسلام کے پاس کم و بیش سوا لاکھ کی تعداد تو ان انبیاء کی ہے، جو انسانیت کے ہیرو ہیں، اور جن میں سے ایک ایک کا وجود کائنات کی ساری چیزوں پر بھاری ہے۔ پھر انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قافلہ ہے، ان کی تعداد بھی سوا لاکھ سے کیا کم ہوگی؟ پھر ان کے بعد ہر صدی کے وہ لاکھوں اکابر اولیاء اللہ ہیں جو اپنے اپنے وقت میں رشد و ہدایت کے مینارۂ نور تھے، اور جن کے آگے بڑے بڑے جابر بادشاہوں کی گردنیں جھک جاتی تھیں۔ اب اگر اسلام، شخصیتوں کی سالگرہ منانے کا دروازہ کھول دیتا تو غور کیجیے کہ اس امت کو سال بھر میں سالگرہوں کے علاوہ کسی اور کام کے لیے ایک لحہ کی بھی فرصت ہوتی؟

عیسائیوں کی تقلید

چونکہ یہ چیز ہی اسلام کی دعوت اور اس کے مزاج کے خلاف تھی، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہؓ اور

تابعینؒ کے بعد چھ صدیوں تک امت کا مزاج اس کو قبول نہ کرسکا۔ اگر آپ نے اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اسلامی تاریخ میں چھٹی صدی وہ زمانہ ہے جس میں فرزندانِ تثلیث نے صلیبی جنگیں لڑیں، اور مسیحیت کے ناپاک اور منحوس قدموں نے عالمِ اسلام کو روند ڈالا۔ ادھر مسلمانوں کا اسلامی مزاج داخلی وخارجی فتنوں کی مسلسل یلغار سے کمزور پڑ گیا تھا۔ ادھر مسیحیت کا عالمِ اسلام پر فاتحانہ حملہ ہوا، اور مسلمانوں میں مفتوح قوم کا سا احساسِ کمتری پیدا ہوا، اس لیے عیسائیوں کی تقلید میں یہ قوم بھی سال بعد اپنے مقدس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یومِ ولادت کا جشن منانے لگی، یہ قوم کے کمزور اعصاب کی تسکین کا ذریعہ تھا، تاہم جیسا کہ میں پہلے عرض کرچکا ہوں، امت کے مجموعی مزاج نے اس کو قبول نہیں کیا، بلکہ ساتویں صدی کے آغاز سے لے کر آج تک علماء امت نے اسے بدعت قرار دیا اور اسے ''ہر بدعت گمراہی ہے'' کے زمرے میں شمار کیا۔

⑧ عید کا ازخود اضافہ

اگرچہ ''میلاد'' کی رسم ساتویں صدی کے آغاز سے شروع ہوچکی تھی اور لوگوں نے اس میں بہت سے امور کے اضافے بھی کیے، لیکن کسی کو یہ جرأت نہیں ہوئی تھی اسے ''عید'' کا نام دیتا، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: ''میری قبر کو ''عید'' نہ بنانا'' اور میں اوپر حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کے حوالے سے بتاچکا ہوں کہ ''عید'' منانے کی ممانعت کیوں فرمائی گئی تھی۔ مگر اب چند سالوں سے اس سالگرہ کو ''عید میلاد النبیؐ'' کہلانے کا شرف بھی حاصل ہوگیا ہے۔ دنیا کا کون مسلمان اس سے ناواقف ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لیے ''عید'' کے دو دن مقرر کیے ہیں: عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یومِ ولادت کو بھی ''عید'' کہنا صحیح ہوتا اور اسلام کے مزاج سے یہ چیز کوئی مناسبت رکھتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی اس کو ''عید'' قرار دے سکتے تھے۔ اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ پسندیدہ چیز ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ سہی خلفائے راشدینؓ ہی آپ کے یومِ ولادت کو عید کہہ کر ''جشنِ عید میلاد النبیؐ'' کی طرح ڈالتے، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اس سے دو ہی نتیجے نکل سکتے ہیں: یا یہ کہ ہم اس کو ''عید'' کہنے میں غلطی پر ہیں، یا یہ کہ نعوذ باللہ! ہمیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یومِ ولادت کی خوشی ہے، مگر صحابہ کرامؓ خصوصاً خلفائے راشدینؓ کو کوئی خوشی نہیں تھی۔ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا عشق بھی نہیں تھا جتنا ہمیں ہے۔

تاریخِ ولادت

ستم یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخِ ولادت میں تو اختلاف ہے: بعض ۹ ربیع الاول بتاتے ہیں، بعض ۸ / اور مشہور ۱۲ ربیع الاول ہے، لیکن اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاتِ شریفہ ۱۲ ربیع الاول ہی کو ہوئی۔ گویا ہم نے ''جشنِ عید'' کے لیے دن بھی تجویز کیا تو وہ جس میں

آنحضرت ﷺ دنیا سے داغِ مفارقت دے گئے۔ اگر کوئی ہم سے یہ سوال کرے کہ تم لوگ ''جشنِ عید'' آنحضرت ﷺ کی ولادتِ طیبہ پر مناتے ہو یا آنحضرت ﷺ کی وفات کی خوشی میں؟... نعوذ باللہ!... تو شاید ہمیں اس کا جواب دینا بھی مشکل ہوگا۔

بہرحال! میں اس دن کو عید کہنا معمولی بات نہیں سمجھتا، بلکہ اس کو صاف صاف تحریف فی الدین سمجھتا ہوں، اس لیے کہ ''عید'' اسلامی اصطلاح ہے اور اسلامی اصطلاحات کو اپنی خود رائی سے غیر منقول جگہوں پر استعمال کرنا دین میں تحریف ہے۔

⑨ ''عید میلاد النبی ؐ'' کے موقع پر ہونے والی خرافات

اور پھر یہ عید جس طرح آنحضرت ﷺ کی شان کے مطابق منائی جاتی ہے، وہ بھی لائقِ شرم ہے۔ بے ریش لڑکے غلط سلط نعتیں پڑھتے ہیں، موضوع اور من گھڑت قصے کہانیاں جن کا حدیث وسیرت کی کسی کتاب میں کوئی وجود نہیں بیان کی جاتی ہیں۔ شور وشغب ہوتا ہے، نمازیں غارت ہوتی ہیں، اور نہ معلوم کیا کیا ہوتا ہے۔ کاش! آنحضرت ﷺ کے نام پر جو بدعت ایجاد کی گئی تھی، اس میں کم از کم آپ کی عظمت وتقدس ہی کو ملحوظ رکھا جاتا۔ غضب یہ کہ سمجھا یہ جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ان خرافاتی محفلوں میں بنفسِ نفیس تشریف بھی لاتے ہیں، فیا غربۃ الإسلام! (ہائے اسلام کی بے چارگی!)

⑩ روضۂ اطہر اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بنانا اور اس کی قباحتیں

اب میں اس ''عید میلاد النبی ؐ'' کا آخری کارنامہ عرض کرتا ہوں۔ کچھ عرصے سے ہمارے کراچی میں ''عید میلاد النبی ؐ'' کے موقع پر آنحضرت ﷺ کے ''روضۂ اطہر'' اور ''بیت اللہ'' شریف کی شبیہ بنائی جاتی ہے، اور جگہ جگہ بڑے بڑے چوکوں میں سوانگ بنا کر رکھے جاتے ہیں۔ لوگ ان سے تبرک حاصل کرتے ہیں، اور بیت اللہ کی خود ساختہ شبیہ کا طواف بھی کرتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ مسلمانوں کے ہاتھوں اور علماء کی نگرانی میں کرایا جارہا ہے۔ فیا أسفاہ! ''جشنِ عید میلاد'' کی باقی ساری چیزوں کو چھوڑ کر اسی ایک منظر کا جائزہ لیجیے کہ اس میں کتنی قباحتوں کو سمیٹ کر جمع کر دیا گیا ہے۔

اول: اس پر جو ہزاروں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے، یہ محض اسراف وتبذیر اور فضول خرچی ہے۔ آپ ملا علی قاریؒ کے حوالے سے سن چکے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے قبروں پر چراغ اور شمع جلانے والوں پر اس لیے لعنت فرمائی ہے کہ یہ فعل عبث ہے اور خدا کے دیے ہوئے مال کو مفت ضائع کرنا ہے۔ ذرا سوچیے! جو مقدس نبی ﷺ قبر پر ایک چراغ جلانے کو فضول خرچی کی وجہ سے ممنوع اور ایسا کرنے والوں کو ملعون قرار دیتا ہے، اس کا ارشاد اس ہزاروں، لاکھوں روپے کی فضول خرچی کرنے والوں کے بارے میں کیا ہوگا؟ اور پھر یہ بھی دیکھیے

کہ: یہ فضول خرچی وہ غربت زدہ قوم کررہی ہے، جو روٹی کپڑا مکان کے نام پر ایمان تک کا سودا کرنے کو تیار ہے۔ اس فضول خرچی کے بجائے اگر یہی رقم آنحضرت ﷺ کے ایصالِ ثواب کے لیے غرباء ومساکین کو چپکے سے نقد دے دی جاتی تو نمائش تو بلاشبہ نہ ہوتی، مگر اس رقم سے سیکڑوں اُجڑے گھر آباد ہوسکتے تھے، ان سیکڑوں بچیوں کے ہاتھ پیلے کیے جاسکتے تھے جو اپنے والدین کے لیے سوہانِ روح بنی ہوئی ہیں۔ کیا یہ فضول خرچی اس قوم کے راہنماؤں کو سجتی ہے، جس قوم کے بہت سے افراد وخاندان نانِ شبینہ سے محروم اور جان وتن کا رشتہ قائم رکھنے سے قاصر ہوں؟ اور پھر یہ سب کچھ کیا جارہا ہے کس ہستی کے نام پر؟ جو خود تو پیٹ پر پتھر بھی باندھ لیتے تھے، مگر جانوروں تک کی بھوک پیاس سن کر تڑپ جاتے تھے۔ آج کمیونزم اور لادین سوشلزم اسلام کو دانت دکھا رہا ہے۔ جب ہم دنیا کی مقدس ترین ہستی کے نام پر یہ سارا کھیل کھیلیں گے تو لادین طبقے دین کے بارے میں کیا تأثر لیں گے؟ فضول خرچی کرنے والوں کو قرآنِ کریم نے ’’إخوان الشياطين‘‘ فرمایا تھا، مگر ہماری فاسد مزاجی نے اس کو اعلیٰ ترین نیکی اور اسلامی شعار بناڈالا ہے: ع:

’’بسوخت عقل ز حیرت کہ این چہ بوالعجبی است‘‘

دوم: دوسرے، اس فعل میں شیعوں اور رافضیوں کی تقلید ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ رافضی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی سالانہ برسی منایا کرتے ہیں، اور اس موقع پر تعزیہ، علم، دلدل وغیرہ نکالتے ہیں۔ انہوں نے جو کچھ حسینؓ اور آلِ رسول اللہ ﷺ کے نام پر کیا، وہی ہم نے خود رسول اللہ ﷺ کے نام پر کرنا شروع کردیا۔ انصاف کیجیے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اطہر اور بیت اللہ شریف کا سوانگ بناکر اسے بازاروں میں پھرانا اور اس کے ساتھ روضۂ اطہر اور بیت اللہ کا سا معاملہ کرنا صحیح ہے تو روافض کا تعزیہ اور دلدل کا سوانگ رچانا کیوں غلط ہے؟ افسوس ہے کہ جو ملعون بدعت رافضیوں نے ایجاد کی تھی، ہم نے ان کی تقلید کرکے اس پر مہرِ تصدیق ثبت کرنے کی کوشش کی۔

سوم: تیسرے، اس بات پر بھی غور کیجیے کہ روضۂ اطہر اور بیت اللہ کی جو شبیہ بنائی جاتی ہے وہ شیعوں کے تعزیہ کی طرح محض جعلی اور مصنوعی ہے، جسے آج بنایا جاتا ہے اور کل توڑ دیا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس مصنوعی سوانگ میں اصل روضۂ اطہر اور بیت اللہ کی کوئی خیر وبرکت منتقل ہوجاتی ہے یا نہیں؟ اور اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی اس چیز میں کسی درجہ میں تقدس پیدا ہوجاتا ہے یا نہیں؟ اگر اس میں کوئی تقدس اور کوئی برکت نہیں تو اس فعل کے محض لغو اور عبث ہونے میں کیا شک ہے؟ اور اگر اس میں تقدس اور برکت کا کچھ اثر آجاتا ہے تو اس کی شرعی دلیل کیا ہے؟ اور کسی مصنوعی اور جعلی چیز میں روضۂ مقدس اور بیت اللہ شریف سے تقدس وبرکت کا اعتقاد رکھنا اسلام کی علامت ہے یا جاہلیت کی؟ اور پھر روضۂ شریف اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بناکر اگلے دن ان کی توڑ پھوڑ کردینا، کیا ان کی توہین نہیں؟ آپ جانتے ہیں کہ بادشاہ کی تصویر بادشاہ نہیں ہوتی، نہ کسی عاقل

کے نزدیک اس میں بادشاہ کا کوئی کمال ہوتا ہے، اس کے باوجود بادشاہ کی تصویر کی توہین کو قانون کی نظر میں لائقِ تعزیر جرم تصور کیا جاتا ہے، اور اسے بادشاہ سے بغاوت پر محمول کیا جاتا ہے۔ لیکن آج روضۂ اطہر اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بنا کر کل اسے منہدم کرنے والوں کو یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ اسلامی شعائر کی توہین کے مرتکب ہورہے ہیں۔

چہارم: چوتھے، جس طرح شیعہ لوگ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے تعزیہ پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور منتیں مانتے ہیں، اب رفتہ رفتہ عوام کالانعام اس نوایجاد ''بدعت'' کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرنے لگے ہیں۔ روضۂ اطہر کی شبیہ پر درود و سلام پیش کیا جاتا ہے، اور بیت اللہ شریف کی شبیہ کا باقاعدہ طواف ہونے لگا ہے۔ گویا مسلمانوں کو حج و عمرہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ جانے کی ضرورت نہیں، ہمارے ان دوستوں نے گھر گھر میں روضے اور بیت اللہ بنادیئے ہیں، جہاں سلام بھی پڑھا جاتا ہے اور طواف بھی ہوتا ہے۔ میرے قلم میں طاقت نہیں کہ میں اس فعل کی قباحت و شناعت اور ملعونیت کو ٹھیک ٹھیک واضح کرسکوں۔

ہمارے ائمہ اہلِ سنت کے نزدیک یہ فعل کس قدر قبیح ہے؟ اس کا اندازہ لگانے کے لیے صرف ایک مثال کافی ہے، وہ یہ کہ ایک زمانے میں ایک بدعت ایجاد ہوئی تھی کہ عرفہ کے دن جب حاجی حضرات عرفات کے میدان میں جمع ہوتے ہیں، تو ان کی مشابہت کے لیے لوگ اپنے شہر کے کھلے میدان میں نکل کر جمع ہوتے اور حاجیوں کی طرح سارا دن دعا و تضرع، گریہ وزاری اور توبہ و استغفار میں گزارتے، اس رسم کا نام ''تعریف'' یعنی عرفہ منانا رکھا گیا تھا۔ بظاہر اس میں کوئی خرابی نہیں تھی، بلکہ یہ ایک اچھی چیز تھی کہ اگر اس کا رواج عام ہوجاتا تو کم از کم سال بعد تو مسلمانوں کو توبہ و استغفار کی توفیق ہوجایا کرتی، مگر ہمارے علماء اہلِ سنت نے (اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے) اس بدعت کی سختی سے تردید کی اور فرمایا:

''اَلتَّعْرِیْفُ لَیْسَ بِشَيْئٍ''.... یعنی ''اس طرح عرفہ منانا بالکل لغو اور بیہودہ حرکت ہے۔''

شیخ ابن نجیمؒ صاحبِ ''البحر الرائق'' لکھتے ہیں:

''چونکہ وقوفِ عرفات ایک ایسی عبادت ہے جو ایک خاص مکان کے ساتھ مخصوص ہے، اس لیے یہ فعل اس مکان کے سوا دوسری جگہ جائز نہ ہوگا، جیسا کہ طواف وغیرہ جائز نہیں، آپ دیکھتے ہیں طوافِ کعبہ کی مشابہت کے طور پر کسی اور مکان کا طواف جائز نہیں۔''

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ: ''میری قبر کو عید نہ بنالینا۔'' اس میں تحریف کا دروازہ بند کرنے کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ یہود و نصاریٰ نے اپنے نبیوں کی قبروں کے ساتھ یہی کیا تھا

اور انہیں حج کی طرح عید اور موسم بنالیا تھا۔‘‘ (حجۃ اللہ البالغۃ)

شیخ علی القاریؒ شرح مناسک میں فرماتے ہیں کہ:

’’طواف‘ کعبہ شریف کی خصوصیات میں سے ہے، اس لیے انبیاءؑ، اولیاءؒ کی قبور کے گرد طواف کرنا حرام ہے۔ جاہل لوگوں کے فعل کا کوئی اعتبار نہیں، خواہ وہ مشائخ وعلماء کی شکل میں ہوں۔‘‘ (بحوالہ: الجنۃ لاہل السنۃ، ص:۷)

’’اور البحر الرائق، کفایہ شرح ہدایہ، اور معراج الدرایۃ میں ہے کہ: جو شخص کعبہ شریف کے علاوہ کسی اور مسجد کا طواف کرے، اس کے حق میں کفر کا اندیشہ ہے۔‘‘ (الجنۃ لاہل السنۃ، ص:۷)

ان تصریحات سے معلوم ہوسکتا ہے کہ روضۂ اطہر اور کعبہ شریف کا سوانگ بناکر ان کے ساتھ اصل کا سا جو معاملہ کیا جاتا ہے، ہمارے اکابر اہلِ سنت کی نظر میں اس کی کیا حیثیت ہے؟

خلاصہ: یہ کہ ’’جشنِ عید میلاد‘‘ کے نام پر جو خرافات رائج کردی گئی ہیں، اور جن میں ہر آئے سال مسلسل اضافہ کیا جارہا ہے۔ یہ اسلام کی دعوت، اس کی روح اور اس کے مزاج کے یکسر منافی ہیں۔ میں اس تصور سے پریشان ہوجاتا ہوں کہ ہماری ان خرافات کی روئے داد جب آنحضرت ﷺ کی بارگاہِ عالی میں پیش ہوتی ہوگی، تو آپ ﷺ پر کیا گزرتی ہوگی؟ اور اگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ہمارے درمیان موجود ہوتے، تو ان چیزوں کو دیکھ کر ان کا کیا حال ہوتا؟ بہرحال میں اس کو نہ صرف ’’بدعت‘‘ بلکہ ’’تحریف فی الدین‘‘ تصور کرتا ہوں۔ اور اس بحث کو امامِ ربانی مجدد الف ثانیؒ کے ایک ارشاد پر ختم کرتا ہوں، جو انہوں نے اسی مسئلہ میں اپنے مرشد خواجہ باقی باللہؒ کے بارے میں فرمایا ہے:

’’بنظرِ انصاف بینند کہ اگر فرضاً حضرتِ ایشان درین زمان دنیا زندہ می بودند و این مجلس و اجتماع منعقد می شد آیا باین امر راضی می شدند، و این اجتماع را پسندیدند یا نہ؟ یقینِ فقیر آن است کہ ہرگز این معنی را تجویز نمی فرمودند، مقصودِ فقیر اعلام بود، قبول کنند یا نہ کنند، ہیچ مضائقہ نیست و گنجائشِ مشاجرہ نہ۔‘‘

ترجمہ: ’’انصاف کی نظر سے دیکھیے کہ اگر بالفرض! حضرت ایشاں اس وقت دنیا میں تشریف فرما ہوتے اور یہ مجلس اور یہ اجتماع منعقد ہوتا، آیا آپ ﷺ اس پر راضی ہوتے؟ اور اس اجتماع کو پسند فرماتے یا نہیں؟ فقیر کا یقین یہ ہے کہ اس کو ہرگز جائز نہ رکھتے۔ فقیر کا مقصود صرف امرِ حق کا اظہار ہے، قبول کریں یا نہ کریں، کوئی پروا نہیں اور نہ کسی جھگڑے کی گنجائش۔‘‘ (دفترِ اول، مکتوب: ۲۷۳)

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....